کا پھل ہے۔ وہ محبت روح کا پورے طور پر وقف کر دینا ہے اس کے مندر میں تم آزمائش سے نہیں بلکہ عبادت ہی سے بردان پا سکتے ہو۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور تیزی سے ندی کی طرف چلی۔ جیسے اس نے اپنا کھویا ہوا راستہ پا لیا ہو۔ ایسی زبردست تحریک کا اسے کبھی احساس نہ ہوا تھا۔ اس نے آزادانہ زندگی میں خود میں ایک کمزوری محسوس کی تھی جو اسے ہمیشہ متزلزل اور بے قرار رکھتی تھی۔ اس کا دل جیسے کسی سہارے کی تلاش میں تھا۔ جس کے ذریعے وہ دنیا کا مقابلہ کر سکے۔ خود میں اسے سکت نہ ملتی تھی۔ دانائی اور کردار کی طاقت دیکھ کر وہ اس کی طرف راغب ہو جاتی تھی۔ پانی کی طرح ہر ایک برتن کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ اس کی اپنی کوئی شکل نہ تھی۔"

اس کی طبیعت ابھی تک کسی امتحان دینے والے متعلم کی سی تھی۔ متعلم کو کتابوں سے محبت ہو سکتی ہے اور ہو بھی جاتی ہے مگر وہ کتاب کے ان ہی حصوں پر زیادہ توجہ دیتا ہے جو امتحان میں آ سکتے ہیں۔ اس کی اول غرض امتحان میں کامیاب ہونا ہے۔ واقفیت حاصل کرنا اس کے بعد کا کام ہے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ ممتحن بڑا رحم دل یا اندھا ہے۔ اور متعلموں کو یوں ہی پاس کر دیا کرتا ہے تو شاید وہ کتابوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ مالتی جو کچھ کرتی تھی وہ مہتا کو خوش کرنے کے لئے اس کی غرض تھی مہتا کی محبت اور عقیدت حاصل کرنا، ان کے دل کی رانی بن جانا، لیکن اسی متعلم کی طرح اپنی قابلیت کا یقین دلا کر قابلیت آ جانے پر ممتحن خود بخود اس سے مطمئن ہو جائے گا؛ اتنا صبر اس میں نہ تھا۔

مگر آج مہتا نے جیسے اسے ٹھکرا کر اس کی روحانی قوت کو بیدار کر دیا

مہتا کو جب اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا جب ہی سے اُس کا دل ان کی طرف جھک رہا تھا۔ اسے وہ اپنے شناساؤں میں قابل ترین معلوم ہوئے۔ اس کی پاکیزہ زندگی میں عقل کی تیزی اور خیالوں کی مضبوطی ہی بہترین شے تھی۔ دولت و اقتدار کو تو وہ صرف کھلونا سمجھتی تھی جسے کھیل کر لڑکے توڑ پھوڑ ڈالتے ہیں۔ صورت میں اب اس کے لئے کوئی خاص کشش نہ تھی اگرچہ اسے بدصورتی سے نفرت تھی اس کو تو اب عقلی قوت ہی اپنی طرف متوجہ کر سکتی تھی۔ جس کا سہارا پاکر اس میں خود اعتمادی پیدا ہو، کچھ ترقی کی تحریک ملے، اپنے میں طاقت آئے اور اپنی زندگی کو کارآمد بنانے کی واقفیت ہو۔ مہتا کی عظمت و دانائی نے اُس پر اپنا سکہ جما دیا تھا اور تب سے وہ اپنی اصلاح کرتی آرہی تھی۔ جس حرکت دینے والی طاقت کی اُسے ضرورت تھی وہ مل گئی تھی اور پوشیدہ طور پر اسے طاقت اور حرکت دے رہی تھی۔ زندگی کا نیا معیار جو اس کے سامنے تھا وہ خود کو اُس تک پہنچانے کی کوشش کرتی ہوئی اور کامیابی کا احساس کرتی اس دن کا تصور کر رہی تھی جب وہ اور مہتا ایک سے ہو جائیں گے۔ آج یہ تصور اسے اور بھی مستقل اور مضبوط بنا رہا تھا۔

مگر آج جب مہتا نے اس کی امیدوں کو دروازے تک لاکر محبت کا وہ معیار اس کے سامنے رکھا جس میں محبت کو روحانیت اور ایثار کی بلندی سے گرا کر مادی سطح تک پہنچا دیا گیا تھا۔ جہاں بدگمانی اور حسد کا راج ہے، تب اس کی پاک و صاف عقل کو چوٹ لگی اور مہتا سے اُس کو جو عقیدت تھی اُسے ایک دھکا سا لگا۔ جیسے کوئی شاگرد اپنے استاد کو کوئی کمینی حرکت کرتے ہوئے دیکھ لے۔ اس نے دیکھا کہ مہتا کی تیز فہمی محبت کو حیوانیت کی طرف کھینچے لئے جاتی ہے۔ اور اس کی فرشتہ صفتی کی جانب سے آنکھیں بند

کے لیتی ہے۔ یہ دیکھ کر اس کا دل بیٹھ گیا۔
مہتا نے کچھ نادم ہو کر کہا "آؤ کچھ دیر اور بیٹھیں"
مالتی بولی "نہیں اب لوٹنا چاہیئے۔ دیر ہو رہی ہے"

(۳۱)

رائے صاحب کا ستارہ بلند تھا۔ ان کے تینوں منصوبے پورے ہو گئے تھے۔ لڑکی کی شادی دھوم دھام سے ہو گئی تھی، مقدمہ بھی جیت گئے تھے اور چناؤ میں کامیاب ہی نہ ہوئے تھے بلکہ ہوم ممبر بھی ہو گئے تھے۔ چاروں طرف سے مبارک باد مل رہی تھی۔ وقار تو پہلے بھی کسی سے کم نہ تھا مگر اب تو اس کی جڑ اور بھی گہری اور مضبوط ہو گئی تھی۔ دفتی اخباروں میں ان کی تصویر اور سوانح عمری زوروں سے نکل رہی تھی۔ قرض بہت بڑھ گیا تھا مگر اب رائے صاحب کو اس کی پروا نہ تھی۔ وہ اس نئی جائداد کا ایک چھوٹا سا جزو فروخت کر کے قرض سے سبکدوش ہو سکتے تھے۔ راحت و آرام کا بلند سے بلند تصور جو انھوں نے کیا تھا وہ اس سے بھی زیادہ بلندی پر جا پہنچے تھے۔ ابھی تک ان کا بنگلہ صرف لکھنؤ میں تھا، اب نینی تال، منصوری، شملہ تینوں مقاموں میں ایک ایک بنگلہ بنوانا ضروری ہو گیا۔ اب انھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ان مقامات میں جائیں تو ہوٹل میں یا کسی دوسرے راجہ کے بنگلے میں ٹھہریں۔ جیسور پرتاب سنگھ کے بنگلے ان سب ہی مقاموں میں تھے تو رائے صاحب کے لئے یہ بڑی شرم کی بات تھی کہ ان کے بنگلے وہاں نہ ہوں۔ اتفاق سے بنگلے بنوانے کی زحمت نہ اٹھانی پڑی۔ بنے بنائے بنگلے سستے داموں مل گئے۔ ہر بنگلے کے لئے مالی، چوکیدار، کارندے، خانساماں، وغیرہ بھی رکھ لئے گئے تھے اور سب سے بڑی خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ اب کے ہز مجسٹی کی سالگرہ کے موقع پر انھیں راجہ کا خطاب بھی مل گیا تھا۔ اب ان کی اعلیٰ خواہشیں تمام و کمال پوری ہو گئی

تھیں۔ اُس دن خوب جشن منایا گیا اور ایسی شاندار دعوت ہوئی کہ سارے پچھلے ریکارڈ ٹوٹ گئے۔ جس وقت ہز ایکسلنسی گورنر صوبہ نے انھیں خطاب دیا تو غرور کے ساتھ راج بھگتی کی ایسی ترنگیں ان کے من میں اٹھیں کہ ان کا رُواں رُواں پھول اٹھا یہ ہے زندگی! ورنہ باغیوں کے پھیر میں پڑ کر مفت کی بدنامی لی۔ جیل گئے اور افسروں کی نظروں سے گر گئے۔ جس سپرنٹنڈنٹ پولیس نے انھیں پچھلی مرتبہ گرفتار کیا تھا وہ اس وقت ان کے سامنے دست بستہ کھڑا تھا۔ شاید اپنی خطاؤں کے لئے معافی مانگ رہا تھا۔

مگر زندگی کی اعلیٰ ترین فتح تو انھیں اس وقت ملی۔ جب ان کے پُرانے اور ہارے ہوئے رقیب سورج پرتاب سنگھ نے ان کے بڑے لڑکے رُدرپال سنگھ نے اپنی لڑکی کے بیاہ کا پیغام دیا۔ رائے صاحب کو نہ مقدمہ جیتنے کی اتنی خوشی ہوئی تھی۔ نہ ہوم ممبر ہونے کی۔ وہ ساری باتیں خیال میں آتی تھیں، مگر یہ بات تو خلاف امید ہی نہیں، بلکہ خیال سے بھی باہر تھی۔ وہی سورج پرتاب سنگھ جو ابھی کئی ماہ قبل انھیں اپنے کتے سے بھی کم تر سمجھتا ہے وہ آج ان کے لڑکے سے اپنی لڑکی کا بیاہ کرنا چاہتا ہے۔ کتنی ناممکن بات! رُدرپال اس وقت ایم اے میں پڑھتا تھا، نہایت بے خوف، پکا معیار پرست، اپنے اوپر بھروسہ رکھنے والا مغرور، رنگین مزاج اور کاہل نوجوان تھا جسے اپنے باپ کی زبردستی اور جاہ طلبی بُری معلوم ہوتی تھی۔

رائے صاحب اس وقت نینی تال میں تھے۔ یہ پیغام پا کر پھول اٹھے۔ اگرچہ وہ شادی کے بارے میں لڑکے پر کسی طرح کا دباؤ ڈالنا چاہتے تھے۔ مگر انھیں یقین تھا کہ وہ جو کچھ طے کریں گے۔ اس میں رُدرپال کو کوئی اعتراض نہ ہوگا اور راجہ سورج پرتاب سنگھ سے رشتہ ہوجانا ایک ایسی خوش قسمتی کی بات تھی کہ رُدرپال کا

متفق نہ ہونا ان کے خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ انھوں نے فوراً راجہ صاحب کو قول دے دیا اسی وقت رودرپال کو فون کیا۔

رودرپال نے جواب دیا: "مجھے منظور نہیں۔"

رائے صاحب کو اپنی زندگی میں نہ کبھی اتنی مایوسی ہوئی تھی اور نہ اتنا غصہ آیا تھا۔ پوچھا: "کوئی وجہ؟"

"وقت آنے پر معلوم ہو جائے گا۔"

"میں ابھی جاننا چاہتا ہوں۔"

"میں نہیں بتانا چاہتا۔"

"تمھیں میرا حکم ماننا پڑے گا۔"

جس بات کو میرا دل قبول نہیں کرتا اسے میں آپ کے حکم سے نہیں مان سکتا۔"

رائے صاحب نے بڑی التجا سے سمجھایا: "بیٹا، تم معیار کے لئے اپنے پیروں میں کلہاڑی مار رہے ہو۔ اس رشتے سے سوسائٹی میں تمھارا درجہ کتنا اونچا ہو جائے گا، کچھ تم نے سوچا ہے؟ اسے خدائی تحریک سمجھو۔ اس خاندان کی کوئی بیکس لڑکی بھی مجھے ملتی تو میں اپنے بھاگ کو سراہتا، یہ تو راجہ سورج پرتاپ سنگھ کی لڑکی ہے۔ جو ہمارے سرتاج ہیں۔ میں اسے روز دیکھتا ہوں۔ تم نے بھی دیکھا ہوگا، روپ، گن، سبھاؤ میں ایسی لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ میں تو چار دن کا مہمان ہوں۔ تمھارے سامنے ساری زندگی پڑی ہے۔ میں تم پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا۔ تم جانتے ہو کہ شادی کے بارے میں میرے خیال کتنے وسیع ہیں۔ لیکن میرا یہ بھی تو فرض ہے کہ اگر تمھیں غلطی کرتے دیکھوں تو آگاہ کر دوں۔"

رودرپال نے جواب دیا: "میں اس بارے میں بہت پہلے طے کر چکا ہوں

اور اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔"

رائے صاحب کو لڑکے کی ہٹ اور نادانی پر غصہ آگیا۔ گرج کر بولے "معلوم ہوتا ہے کہ تمھارا سر پھر گیا ہے۔ اگر مجھ سے ملو توقف نہ کرنا۔ میں راجہ صاحب کو قول دے چکا ہوں۔"

روڑپال نے جواب دیا: "افسوس کہ ابھی مجھے فرصت نہیں ہے۔"

دوسرے دن رائے صاحب خود آگئے۔ دونوں اپنے اپنے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر تیار کھڑے تھے۔ ایک طرف پوری زندگی کا حاصل کیا ہوا زبردست تجربہ تھا مصلحتوں سے بھرا ہوا، اور دوسری طرف خام معیار پرستی تھی، ضدی، شریر اور بے مروت!

رائے صاحب نے سیدھا وار کیا۔ "میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کون لڑکی ہے۔"

روڑپال نے استقلال سے کہا: "اگر آپ اتنے خواہشمند ہیں تو سنئے، وہ مالتی دیوی کی بہن سروج ہے۔"

رائے صاحب جیسے چوٹ کھا کر گر پڑے۔ "اچھا وہ!"

"آپ نے تو سروج کو دیکھا ہوگا؟"

"خوب دیکھا ہے۔ تم نے راج کماری کو دیکھا ہے یا نہیں؟"

"جی ہاں، خوب دیکھا ہے۔"

"پھر بھی ....."

"میں صورت کو کوئی چیز نہیں سمجھتا۔"

"تمھاری سمجھ پر مجھے رنج ہوتا ہے۔ مالتی کو جانتے ہو کسی عورت ہے تو اس کی بہن کیا کچھ ہوگی؟"

روربال نے تیوری چڑھا کر کہا: "میں اس بارے میں آپ سے اور کچھ نہیں کہنا چاہتا، مگر میری شادی ہوگی تو سروج سے۔"

"میرے جیتے جی کبھی نہیں ہو سکتی۔"

"تو آپ کے بعد ہوگی۔"

"اچھا تمہارے یہ ارادے ہیں!"

اور رلئے صاحب کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں گویا ساری زندگی اُجڑ گئی ہو۔ ہوم ممبری اور علاقہ اور خطاب، سب جیسے باسی پھولوں کی طرح بے کیف اور ناخوشگوار ہو گئے ہوں۔ زندگی کی ساری ریاضت اور عیش و آرام بے کار گئی۔ ان کی اہلیہ کا جب انتقال ہوا تھا تو ان کی عمر چھتیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ وہ شادی کر سکتے تھے اور عیش و آرام کا لطف بھی اٹھا سکتے تھے۔ سب ہی ان سے شادی کے لئے اصرار کر رہے تھے۔ مگر انھوں نے ان لڑکوں کا منہ دیکھا اور مجردانہ زندگی کی مشق و ریاضت قبول کر لی۔ ان ہی لڑکوں پر زندگی کے سارے عیش و آرام کو قربان کر دیا۔ آج تک اپنے دل کی ساری محبت ان ہی لڑکوں کو دیتے ہوئے چلے آئے، اور آج یہ لڑکا اتنی بے مروتی سے باتیں کر رہا ہے گویا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر وہ کیوں جائداد اور عزت اور اقتدار کے لئے جان دیں؟ ان ہی لڑکوں ہی کے لئے تو وہ سب کچھ کر رہے تھے۔ جب لڑکوں کو ان کا ذرا بھی لحاظ نہیں تو وہ کیوں یہ تپسیا کریں؟ انھیں کون دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ انھیں بھی آرام سے پڑے رہنا آتا ہے۔ ان کے اور ہزاروں بھائی مونچھوں پر تاؤ دے کر زندگی کا لطف اٹھا رہے ہیں اور مست گھومتے ہیں پھر وہ بھی کیوں نہ وہی رویہ اختیار کریں؟ انھیں اس وقت یاد نہ رہا کہ وہ جو تپسیا کر رہے ہیں وہ لڑکوں کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے، اور صرف

شہرت کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ کام کرنے کے عادی ہیں اور انھیں زندہ رہنے کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ وہ عیاش اور کاہل بن کر اپنے دل کو مطمئن نہیں رکھ سکتے انھیں معلوم نہیں کہ کچھ لوگوں کی طبیعت ہی ایسی ہوتی ہے۔ وہ عیاشی اور کاہلی کو پسند نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے جگر کا خون پینے کے لئے جیتے ہیں۔ پیسے ملتے ہی جائیں گے۔

مگر اس صدمے کا ردِ عمل بھی فوراً ہی ہوا۔ ہم جس کے لئے ایثار کرتے ہیں ان سے کسی صلے کی امید نہ رکھ کر بھی ان کے دل پر حکومت کرنا چاہتے ہیں، خواہ وہ حکومت ان ہی کے فائدے کے لئے ہو، اگرچہ اس فائدے کو ہم اس قدر اپنا بنا لیتے ہیں کہ گویا وہ ہمارا ہی فائدہ بن جاتا ہے۔ ترک جتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، حکومت کا خیال بھی اتنا ہی زبردست ہوتا ہے۔ اور جب دفعتاً ہمیں احتجاج کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے تو ہم بھڑک اٹھتے ہیں اور وہ ترک گویا انتقام کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ رائے صاحب کو یہ ضد پڑ گئی کہ رودرپال کی شادی سروج سے نہ ہونے پائے چاہے اس کے لئے انھیں پولیس سے مدد کیوں نہ لینی پڑے دھرم کی ہتیا کیوں نہ کرنی پڑے۔

انھوں نے جیسے تلوار کھینچ کر کہا: "ہاں، میرے بعد ہی ہوگی، اور ابھی اسے بہت دن ہیں۔"

رودرپال نے جیسے گولی چلا دی: "ایشور کرے آپ امر ہوں! سروج سے میرا بیاہ ہو چکا۔"

"جھوٹ۔"

"بالکل نہیں۔ سند موجود ہے۔"

رائے صاحب صدمے سے گر پڑے۔ اتنی تیز انتقامانہ نظر سے انھوں نے

کبھی کسی دشمن کو بھی نہ دیکھا تھا۔ دشمن زیادہ سے زیادہ ان کے نفع پر چوٹ کر سکتا تھا یا ان کے جسم پر، یا وقار پر، مگر یہ چوٹ تو اس نازک جگہ پر تھی جہاں زندگی کی ساری رغبتوں کا اجتماع تھا۔ ایک آندھی تھی جس نے ان کی زندگی کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا تھا۔ اب وہ بالکل بے دست و پا ہیں، پولیس کی ساری طاقت ہاتھ میں رکھتے ہوئے بھی بے دست و پا ہیں! تشدد ان کا آخری ہتھیار تھا وہ ہتھیار ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ رورپال بالغ ہے، سروج بھی بالغ ہے اور رورپال اپنی ریاست کا مالک ہے۔ ان کا اس پر کوئی دباؤ نہیں آہ! اگر جانتا کہ یہ لونڈا ایسی مخالفت کریگا تو اس ریاست کے لئے لڑتا ہی کیوں؟ اس مقدمے بازی میں دو ڈھائی لاکھ بگڑ گئے۔ زندگی ہی تباہ ہوگئی۔ اب تو ان کی لاج اسی طرح بچے گی کہ اس لونڈے کی خوشامد کرتے رہیں۔ وہ ذرا بھی دخل انداز ہوئے اور عزت خاک میں مل گئی وہ اپنی زندگی کو قربان کر کے بھی اب مالک نہیں۔ آہ ساری زندگی برباد ہوگئی، ساری زندگی!

رورپال چلا گیا تھا۔ رائے صاحب نے موٹر منگوایا اور مہتا سے ملنے چلے مہتا اگر چاہیں تو مالتی کو سمجھا سکتے ہیں۔ سروج بھی ان کی عدول حکمی نہ کرے گی۔ اگر دس بیس ہزار روپئے غم کھانے سے بھی یہ شادی رک جاتے تو وہ اس کے لئے تیار تھے۔ انھیں خود غرضی کے نشے میں یہ بالکل خیال نہ رہا کہ وہ مہتا کے پاس ایسی تجویز لے کر جا رہے ہیں جس پر مہتا کی ہمدردی ان کے ساتھ نہ ہوگی۔

مہتا نے کل ماجرا سن کر انھیں بنانا شروع کیا۔ سنجیدگی سے بولے:۔

"یہ تو آپ کی عزت کا سوال ہے؟"

رائے صاحب بھانپ نہ سکے۔ اچھل کر بولے: "جی ہاں، خالص عزت

راجہ پرتاپ سنگھ کو تو آپ جانتے ہیں۔"

"میں نے ان کی لڑکی کو بھی دیکھا ہے۔ سروج اس کے پاؤں کی دھول بھی نہیں ہے۔"

"مگر اس لونڈے کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔"

"تو ماریئے گولی، آپ کو کیا کرنا ہے؟ وہی پچھتائے گا۔"

"آہ یہی تو نہیں دیکھا جاتا مہتا جی! ملتی ہوئی عزت نہیں چھوڑی جاتی۔ میں اس عزت پر اپنی ریاست قربان کرنے کو تیار ہوں۔ آپ مالتی دیوی کو سمجھا دیں تو سب کام بن جائے۔ ادھر انکار ہو جائے تو رودرپال سر پیٹ کر رہ جائے گا۔ اور یہ نشہ دس پانچ دن میں آپ ہی اتر جائے گا۔ یہ پریم نہیں، صرف سنک ہے۔"

"لیکن مالتی بلا کچھ رشوت لئے مانے گی نہیں۔"

"آپ جو کچھ کہیئے، میں اسے دے دوں گا۔ وہ چاہے تو میں اسے یہاں کے ڈفرن اسپتال کا انچارج بنا دوں۔"

مان لیجیئے کہ وہ آپ ہی کو چاہے تو آپ راضی ہوں گے؟ جب سے آپ کو ہوم ممبری ملی ہے، آپ کے بارے میں اس کی رائے ضرور بدل گئی ہوگی۔"

رائے صاحب نے مہتا کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس پر مسکراہٹ بھی نظر آئی۔ سمجھ گئے۔ غمگین لہجہ میں بولے: "آپ کو مجھ سے مذاق کرنے کا موقع بھی ملا۔ میں آپ کے پاس اس لئے آیا تھا کہ مجھے یقین تھا کہ آپ میری حالت پر غور کریں گے اور مناسب رائے دیں گے۔ اور آپ مجھے بنانے لگے۔ جس کے دانت نہیں دکھے وہ دانتوں کا درد کیا جانے؟"

مہتا نے متانت سے کہا: "معاف کیجئے گا، آپ ایسا سوال ہی بے کر آئے ہیں کہ اُس پر سنجیدگی سے غور کرنا میں مضحکہ انگیز سمجھتا ہوں۔ آپ اپنی شادی کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ لڑکے کی شادی کی ذمہ داری آپ کیوں اپنے اوپر لیتے ہیں، خصوصاً جب آپ کا لڑکا بالغ ہے اور اپنا نفع و نقصان سمجھتا ہے؟ کم سے کم میں تو شادی جیسے اہم معاملے میں عزت کی کوئی گنجائش نہیں دیکھتا۔ عزت دولت سے ہوتی تو راجہ صاحب اس ننگے بابا کے سامنے گھنٹوں غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے نہ کھڑے رہتے۔ معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے مگر راجہ صاحب اپنے علاقے کے سب انسپکٹر تک کو سلام کرتے ہیں۔ اسے آپ عزت کہتے ہیں؟ لکھنؤ میں آپ کسی دوکاندار، اہی کو آپ عزت کہتے ہیں؟ جا کر آرام سے بیٹھئے سروج سے بہتر بہو آپ کو بہت مشکل سے ملے گی۔"

رائے صاحب نے احتجاج کیا: "بہن تو مالتی ہی کی ہے!"

مہتا نے گرم ہو کر کہا: "مالتی کی بہن ہونا کیا ذلت کی بات ہے؟ مالتی کو آپ نے جانا نہیں اور نہ جاننے کی پروا کی۔ میں نے بھی یہی سمجھا تھا، مگر اب معلوم ہوا کہ وہ آگ میں پڑ کر چمک اٹھنے والی سچی دھات ہے۔ وہ ان جانبازوں میں سے ہے جو موقع پڑنے پر اپنا جوہر دکھاتے ہیں، تلوار گھماتے نہیں چلتے۔ آپ کو معلوم ہے، کھنا کی آج کل کیا حالت ہے؟"

رائے صاحب نے ہمدردی سے سر ہلا کر کہا: "سن چکا ہوں، اور بار بار خواہش ہوئی کہ ان سے ملوں مگر فرصت نہ ملی۔ اس مل میں آگ لگنا ان کی تباہی و بربادی کا باعث ہو گیا۔"

"جی ہاں، اب وہ ایک طرح سے دوستوں کی عنایتوں پر گزر بسر کر رہے ہیں۔ اس پر گونبدی مہینوں سے بیمار ہے۔ اس نے کھنا پر خود کو

بان کر دیا۔ اس حیوان پر جس نے ہمیشہ اسے جلایا۔ اب وہ مر رہی ہے اور مالتی
ات کی رات اس کے سرہانے بیٹھی رہ جاتی ہے، وہی مالتی جو کسی راجہ یا نواب
پانچ سو فیس پاتے ہوئے بھی رات بھر نہ بیٹھے گی۔ کھنا کی خورد سال بچوں کی
رورش کا بار بھی مالتی پر ہے۔ یہ مادریت اس میں کہاں سوئی ہوئی تھی، معلوم نہیں
تو مالتی کا یہ روپ دیکھ کر اپنے دل میں عقیدت کا احساس ہونے لگا، حالانکہ
اپ جانتے ہیں کہ میں زبردست دہریہ ہوں اور باطنی صفائی کے ساتھ اس کے
چہرے پر بھی فوق البشریت کی چمک آنے لگی ہے۔ انسانیت اتنے زیادہ رنگوں
والی اور اتنی زیادہ طاقتور ہے، اس کا مجھے کھلا تجربہ ہو رہا ہے آپ ان سے ملنا
چاہیں تو چلئے، اس بہانے میں بھی چلا چلوں گا۔

رائے صاحب نے شبہ سے کہا "جب آپ ہی میرے درد کو نہیں
سمجھ سکے تو مالتی دیوی کیا سمجھیں گی؟ مفت میں شرمندگی ہوگی۔ مگر آپ کو ان کے
پاس جانے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت کیوں؟ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ نے
ان پر اپنا جادو ڈال دیا ہے۔"

مہتا نے حسرت بھری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "وہ باتیں اب
خواب و خیال ہو گئیں۔ اب تو کبھی ان کے درشن بھی نہیں ہوتے۔ انھیں اب
فرصت بھی نہیں رہتی۔ دو چار بار گیا مجھے معلوم ہوا کہ مجھ سے مل کر وہ بہت
خوش نہیں ہوئیں۔ تب سے جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ہاں خوب یاد آیا،
آج نسوانی ورزش گاہ کا جلسہ ہے، آپ چلیں گے؟"

رائے صاحب نے بیدلی کے ساتھ کہا "جی نہیں، مجھے فرصت نہیں ہے۔
مجھے تو فکر سوار ہے کہ راجہ صاحب کو کیا جواب دوں گا۔ میں انھیں قول دے
چکا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف چلے جس گتھی کو سلجھانے آئے تھے وہ اور بھی الجھ گئی، تاریکی اور بھی زیادہ تاریک ہو گئی۔ بھتا نے انھیں موٹر تک آ کر رخصت کیا۔

رائے صاحب سیدھے اپنے بنگلے تک آئے اور روزنامہ اٹھایا ہی تھا کہ ٹنخا کا کارڈ ملا۔ ٹنخا سے انھیں نفرت تھی اور ان کا منہ بھی نہ دیکھنا چاہتے تھے، اس وقت دل کی کمزور حالت میں انھیں کسی ہمدردی کی تلاش تھی جو اور کچھ نہ کر سکے مگر ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار تو کر سکے، فوراً بلا لیا۔

ٹنخا دبے پیروں رونی صورت بنائے کمرے میں داخل ہوئے اور زمین تک جھک کر سلام کرتے ہوئے بولے: "میں تو حضور کے درشن کرنے نینی تال جا رہا تھا۔ خوش قسمتی سے یہیں درشن ہو گئے۔ حضور کا مزاج تو اچھا ہے؟"

اس کے بعد انھوں نے بڑی لچھے دار زبان میں اور اپنے پچھلے سلوک کو بالکل بھول کر رائے صاحب کی تعریف کرنی شروع کی۔ "ایسی ہوم ممبری کوئی کیا کرے گا، جدھر دیکھئے حضور ہی کا چرچا ہے۔ یہ عہدہ حضور کی شان کے شایاں ہے۔"

رائے صاحب دل میں سوچ رہے تھے کہ یہ شخص بھی کتنا بڑا مکار ہے اپنی غرض پڑنے پر گدھے کو دادا کہنے والا، پرلے سرے کا بیوفا اور بے شرم مگر انھیں اس پر غصہ نہ آیا۔ رحم آ گیا۔ پوچھا: "آج کل آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں حضور، بیکار بیٹھا ہوں۔ اسی امید سے حضور کی خدمت میں حاضر ہونے جا رہا تھا کہ اپنے پرانے خادموں پر عنایت کی نظر رہے۔ آج کل بڑی مصیبت میں پڑا ہوا ہوں۔ راجہ پرتاب سنگھ کو تو حضور جانتے ہیں کہ وہ اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں سمجھتے۔ ایک روز آپ کی ہجو کرنے لگے۔ مجھ سے نہ سنا گیا۔ میں نے

کہا، بس کیجئے مہاراج، رائے صاحب میرے مالک ہیں، اور میں ان کی برائی نہیں سُن سکتا۔ بس اسی بات پر بگڑ گئے۔ میں نے بھی سلام کیا اور گھر چلا آیا۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ آپ کتنی ہی شان و شوکت دکھلائیں مگر رائے صاحب کی جو عزت ہے وہ آپ کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ عزت لیاقت سے ہوتی ہے اور آپ میں جو لیاقت ہے وہ دنیا جانتی ہے۔"

رائے صاحب نے کچھ بن کر کہا۔ "آپ نے تو سیدھے گھر میں آگ لگا دی۔"

ٹنخا نے اکڑ کر کہا۔ "میں تو حضور صاف کہتا ہوں خواہ کسی کو اچھا لگے یا بُرا۔ جب حضور کے قدموں کو پکڑے ہوتے ہوں تو کسی سے کیوں ڈروں؟ حضور کے تو نام سے جلتے ہیں۔ جب دیکھئے حضور کی بدگوئی۔ جب سے آپ ہوم ممبر ہوئے ہیں، ان کے سینے پر سانپ لوٹ رہا ہے۔ میری ساری کی ساری اُجرت صاحب ہضم کر گئے۔ دنیا تو جانتے ہی نہیں حضور۔ اسامیوں پر اتنا ظلم کرتے ہیں کہ کچھ نہ پوچھئے کسی کی آبرو سلامت نہیں۔ دن دہاڑے عورتوں کو....."

موٹر کی آواز آئی اور راجہ سورج پرتاب سنگھ اترے۔ رائے صاحب نے کمرے سے نکل کر ان کا خیر مقدم کیا اور اس عزت افزائی کے بارے میں جھکتے ہوئے بولے۔ "میں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے ہی والا تھا۔"

یہ پہلا موقع تھا کہ راجہ سورج پرتاب سنگھ نے اس مکان میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔ یہ خوش قسمتی!

ٹنخا بھیگی بلی بنے ہوئے بیٹھے تھے۔ راجہ صاحب یہاں! کیا ادھر ان ہر دو اصحاب میں دوستانہ ہو گیا ہے؟ انھوں نے رائے صاحب کی آتش حسد کو مشتعل کر کے اپنے ہاتھ سینکنے چاہے تھے۔ مگر نہیں، راجہ صاحب یہاں چاہے

ملنے کے لئے آ گئے ہوں گر دلوں میں جو آگ ہے وہ تو کمہار کے بھٹے کی طرح صرف اوپر کی لیپا پوتی سے بجھنے والی نہیں۔

راجہ صاحب نے سگار جلاتے ہوئے ٹنخا کی طرف بے رحمانہ نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ "تم نے تو صورت ہی نہیں دکھائی مسٹر ٹنخا۔ مجھ سے اس دعوت کے کل روپئے وصول کر لئے اور ہوٹل والوں کو ایک پائی نہ دی۔ اب وہ میرا سر کھا رہے ہیں۔ اسے دغا سمجھتا ہوں۔ چاہوں تو ابھی تمھیں پولیس کے حوالے کر دوں۔"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے رائے صاحب کو مخاطب کر کے کہا۔ "ایسا بے ایمان آدمی میں نے نہیں دیکھا، رائے صاحب میں سچ کہتا ہوں کہ میں کبھی آپ کے مقابلے میں نہ کھڑا ہوتا مگر مجھے اسی شیطان نے بہکایا اور میرے ایک لاکھ روپئے برباد کرا دیئے۔ بنگلہ خرید لیا، موٹر رکھ لیا، ایک بیسوا سے آشنائی بھی کر رکھی ہے۔ پورے رئیس بنے ہوئے ہیں۔ اور اب دغا بازی شروع کی ہے رئیسوں کی شان نباہنے کے لئے ریاست چاہیئے اور آپ کی ریاست اپنے احباب کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے۔"

رائے صاحب ٹنخا کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "آپ چپ کیوں ہیں مسٹر ٹنخا؟ جواب دیجئے۔ راجہ صاحب نے تو آپ کا سارا محنتانہ ہضم کر لیا تھا۔ اس کا کوئی جواب آپ کے پاس؟ اب براہ کرم یہاں سے چلے جایئے اور خبردار پھر اپنی صورت نہ دکھایئے گا۔ دو بھلے مانسوں کو لڑا کر اپنا الو سیدھا کرنا بہلے پونجی [illegible] رہے گر اس کے نفع ونقصان دونوں ہی جان جوکھم ہیں، یہ سمجھ لیجئے۔"

ٹنخا نے ایسا سر جھکایا کہ پھر نہ اٹھا سکے۔ چپکے سے چلے گئے، جیسے کوئی چور کتا مالک کے اندر آ جانے پر دبک کر نکل جائے۔

جب وہ چلے گئے تو راجہ صاحب نے پوچھا: میری برائی کرتا ہوگا؟"

جی ہاں، مگر میں نے بھی خوب بنایا۔"

"شیطان ہے۔"

"پورا۔"

باپ بیٹے کو لڑادے، میاں بیوی کو لڑادے، اس فن میں استاد ہے

خیر، آج حضرت کو اچھا سبق مل گیا۔"

اس کے بعد ردرپال کے بیاہ کی بات چیت شروع ہوئی۔ رائے صاحب کی جان سوکھی جا رہی تھی، گویا ان پر کوئی نشانہ لگایا جا رہا ہو۔ کہاں چھپ جائیں کیسے کہیں کہ ردرپال پر ان کا کوئی قابو نہیں رہا؟ مگر راجہ صاحب کو حالات معلوم ہو چکے تھے۔ رائے صاحب کو خود کچھ نہ کہنا پڑا۔ جان بچ گئی۔

انھوں نے پوچھا: "آپ کو اس کی خبر کیوں کر ہوئی؟"

ابھی ابھی ردرپال نے لڑکی کے نام ایک خط بھیجا ہے جو اس نے مجھے دے دیا۔"

آج کل کے لڑکوں میں اور تو کوئی خوبی نظر نہیں آتی، بس آزادی کی سنک سوار ہے۔"

سنک تو ہے ہی، مگر اس کی دوا میرے پاس ہے میں اس چھوکری کو ایسا غائب کر دوں گا کہ کہیں پتہ نہ لگے گا۔ دس پانچ روز میں یہ سنک ٹھنڈی ہو جائے گی۔ سمجھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

رائے صاحب کانپ اٹھے۔ ان کے دل میں بھی اس طرح کی بات آئی تھی مگر انھوں نے اسے کوئی صورت نہ پکڑنے دی تھی۔ سنسکار (سرشت) دونوں صاحبوں کے ایک سے تھے۔ گپھاؤں میں رہنے والی شخصیت دونوں ہی اصحاب

میں زندہ تھی۔ رائے صاحب نے اسے بیرونی لباس سے ڈھانک دیا تھا، راجہ صاحب میں وہ عریاں تھی۔ اپنی عظمت دکھلانے کے اس موقع کو رائے صاحب نہ چھوڑ سکے۔ لجاتے ہوئے بولے: "یہ بیسویں صدی ہے، بارہویں نہیں۔ رودرپال کے اوپر اس کا کیا اثر ہوگا، میں نہیں کہہ سکتا۔ مگر انسانیت کے نقطۂ خیال سے ....."

راجہ صاحب نے بات کاٹ کر کہا: "آپ انسانیت کے لئے پھرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں آج بھی انسان کی حیوانیت ہی اس کی انسانیت پر فتح پا رہی ہے، ورنہ سلطنتوں میں لڑائیاں کیوں ہوتیں؟ پنچایتوں سے جھگڑے طے نہ ہو جاتے۔ جب تک انسان رہے گا اس کی حیوانیت بھی رہے گی۔"

چھوٹی موٹی بحث چھڑ گئی جو بالآخر بات کا بتنگڑ بن گئی اور راجہ صاحب ناراض ہو کر چلے گئے۔ دوسرے دن رائے صاحب بھی مینی تال روانہ ہو گئے اور اس کے ایک روز بعد رودرپال نے سروج کو ساتھ لے کر انگلستان کی راہ لی۔ اب ان میں باپ بیٹے کا رشتہ نہ تھا۔ ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے تھے۔ ٹنخا صاحب اب رودرپال کے مشیر و پیروکار تھے۔ انھوں نے رودرپال کی طرف سے رائے صاحب پر حساب فہمی کا دعویٰ کیا۔ رائے صاحب پر دس لاکھ کی ڈگری ہو گئی انھیں ڈگری ہو جانے کا اتنا ملال نہ ہوا تھا جتنا اپنی بے عزتی کا۔ بے عزتی سے بھی زیادہ افسوس تھا زندگی کی مجتمع خواہشات کے خاک میں مل جانے کا، اور سب سے بڑا رنج تھا اس بات کا کہ اپنے ہی بیٹے نے دغا کی۔ فرمانبردار بیٹے کے باپ بننے کا فخر ان کے ہاتھ سے بڑی بے دردی کے ساتھ چھین لیا گیا تھا۔ مگر ابھی شاید ان کے غم کا پیمانہ لبریز نہ ہوا تھا۔ جو کچھ کسر تھی وہ لڑکی اور داماد کے قطع تعلق نے پوری کر دی۔ عام ہندو لڑکیوں کی طرح مینا کشی بھی بے زبان

تھی باپ نے جس کے ساتھ بیاہ کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ چلی گئی۔ لیکن زن و شوہر میں محبت نہ تھی۔ دِگ بجے سنگھ عیاش بھی تھے۔ اور شرابی بھی۔ میناکشی اندر ہی اندر کڑھتی رہتی تھی اور کتابوں اور رسالوں سے دل بہلایا کرتی تھی۔ دِگ بجے سنگھ کی عمر تو تیس سال سے زیادہ نہ تھی، بڑھا لکھا بھی تھا، مگر بڑا مغرور اور اپنے خاندانی وقار کی ڈینگ مارنے والا اور بے رحم و بخیل۔ گانوں کی کم ذات والی بہو بیٹیوں پر ڈورے ڈالا کرتا تھا۔ صحبت بھی کمینوں کی تھی۔ جن کی خوشامد نے اسے اور بھی خوشامد پسند بنا دیا تھا۔ میناکشی ایسے شخص کی عزت دل سے نہ کر سکتی تھی۔ پھر اخباروں میں عورتوں کے حقوق کا تذکرہ پڑھ پڑھ کر اس کی آنکھیں بھی کھلنے لگی تھیں۔ اور وہ زنانہ کلب میں آنے جانے لگی تھی جہاں کتنی ہی تعلیم یافتہ اور خاندانی عورتیں آتی رہتی تھیں ان میں ووٹ اور حقوق اور آزادی اور نسوانی بیداری کا خوب چرچا ہوتا تھا۔ جیسے مردوں کے خلاف کوئی سازش کی جا رہی ہو۔ زیادہ تر وہی عورتیں تھیں جن کی اپنے شوہروں سے نہ بنتی تھی اور جو تعلیم یافتہ ہونے کے سبب قدیم رواجی بندشوں کو توڑ ڈالنا چاہتی تھیں۔ کئی ایسی لڑکیاں بھی تھیں جو ڈگریاں لے چکی تھیں اور ازدواجی زندگی کو خودداری کے لئے مہلک سمجھ کر ملازمت کی تلاش میں تھیں۔ ان ہی میں ایک مس سلطانہ تھیں جو ولایت سے بیرسٹر ہو کر آئی تھیں اور یہاں پردہ نشین عورتوں کو قانونی مشورہ دینے کا پیشہ کرتی تھیں۔ ان ہی کی رائے سے میناکشی نے شوہر پر نان نفقے کا دعویٰ کیا۔ وہ اب اس کے گھر میں نہ رہنا چاہتی تھی۔ گزارے کی اُسے ضرورت نہ تھی۔ اور وہ میکے میں بڑے آرام سے رہ سکتی تھی۔ مگر وہ دِگ بجے سنگھ کے چہرے پر کالک لگا کر یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ دِگ بجے سنگھ نے اس پر الٹا بدچلنی کا الزام لگایا۔ رائے صاحب نے اس لڑائی کو رفع کرنے کی

حتی الامکان کوشش کی مگر میناکشی اب شوہر کی صورت سے بھی بیزار تھی۔ اگرچہ د
کا دعویٰ خارج ہو گیا تھا۔ اور میناکشی نے ان پر گزارے کی ڈگری پائی مگر وہ بیز
اس کے دل میں کانٹا بن کر کھٹکتی رہی۔ وہ علیحدہ ایک کوٹھی میں رہتی تھی اور سو
تحریک میں نمایاں حصہ لیتی تھی، پھر بھی وہ جلن ٹھنڈی نہ ہوتی تھی۔

ایک روز وہ غصّے میں آ کر ہنٹر لئے ہوئے وگ بجے سنگھ کے بنگلے پر
شہدے جمع تھے اور رقاصہ ناچ رہی تھی۔ اس نے جنگ کی دیوی کی طرح شیطا
کے اس مجمع میں پہنچ کر تہلکہ مچا دیا۔ ہنٹر کھا کر لوگ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ اس
رعب کے سامنے وہ کمینے کیا ٹھہرتے؟ جب وگ بجے سنگھ تنہا رہ گئے تو ا
نے ان پر تڑاق تڑاق ہنٹر جمانے شروع کئے اور اتنا مارا کہ کنور صاحب بے دم
ہو گئے۔ رنڈی ابھی تک گوشے میں دبکی ہوئی کھڑی تھی۔ اب اس کا نمبر آیا۔ مینا
میناکشی ہنٹر تان کر جمانا ہی چاہتی تھی کہ وہ اس کے پیروں پر گر پڑی اور رو کر بولی
"بہو جی، آج میری جان بخشی کریں، میں پھر کبھی یہاں نہ آؤں گی۔ میں بے قصور ہوں"

میناکشی نے اس کی طرف نفرت سے دیکھ کر کہا "ہاں تو بے قصور ہے۔ جا
ہے نا کہ میں کون ہوں؟ چلی جا، اب یہاں کبھی نہ آنا۔ ہم عورتیں مردوں کی تفریح و
تعیش کا سامان ہی تو ہیں، تیرا کوئی قصور نہیں۔"

بیسوا نے اس کے پیروں پر سر رکھ کر جوش میں کہا "خدا آپ کو خوش رکھے
جیسا نام سنتی تھی ویسا ہی پایا۔"

"خوش رکھنے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"آپ جو سمجھیں مہارانی جی۔"

"نہیں، تم ہی بتاؤ۔"

بیسوا کی جان ناخونوں میں آ گئی، کہاں سے دعا بھی دینے چلی! جان بچگئی